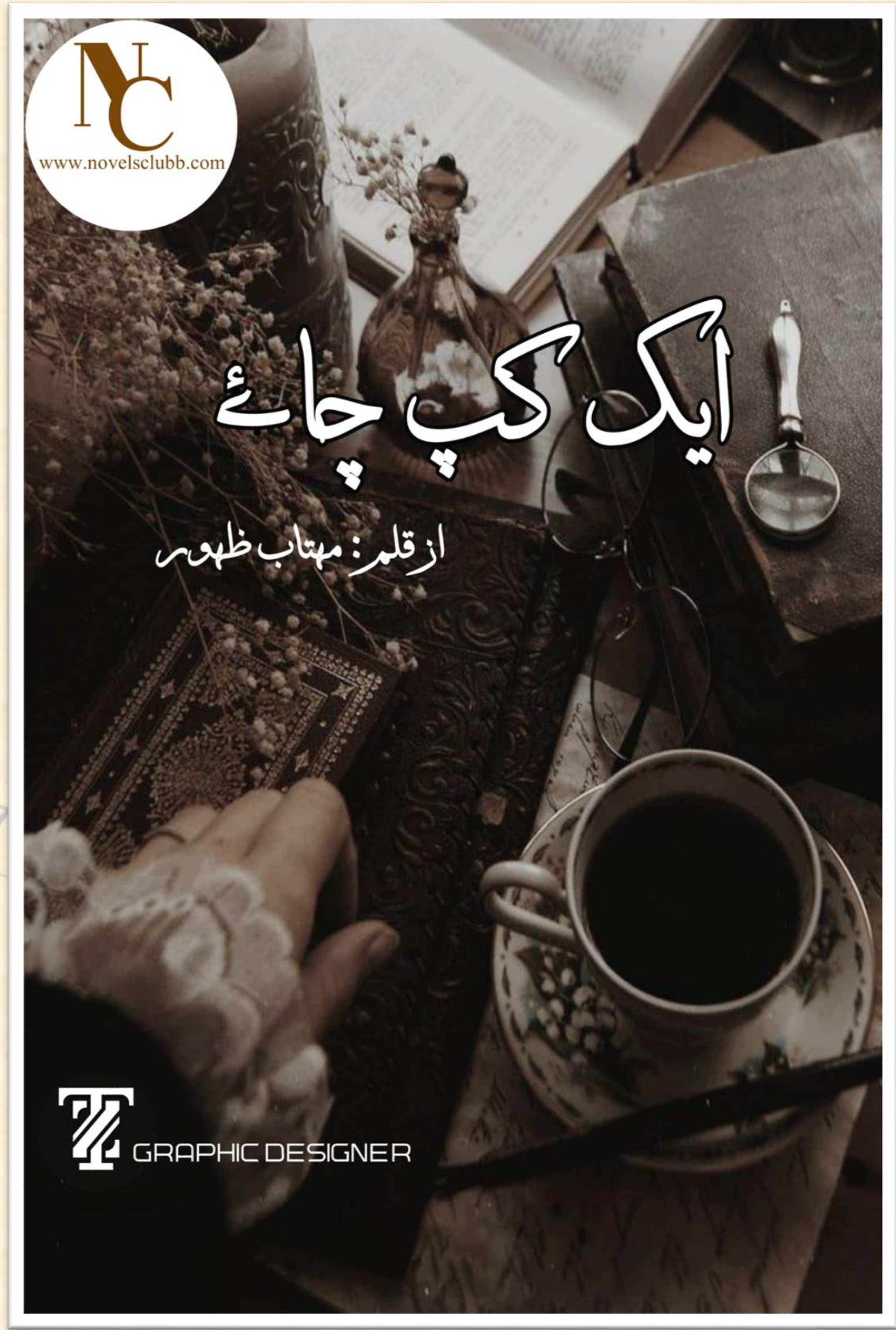

www.novelsclubb.com
ایک کپ چائے
از قلم: مہتاب ظہور
GRAPHIC DESIGNER

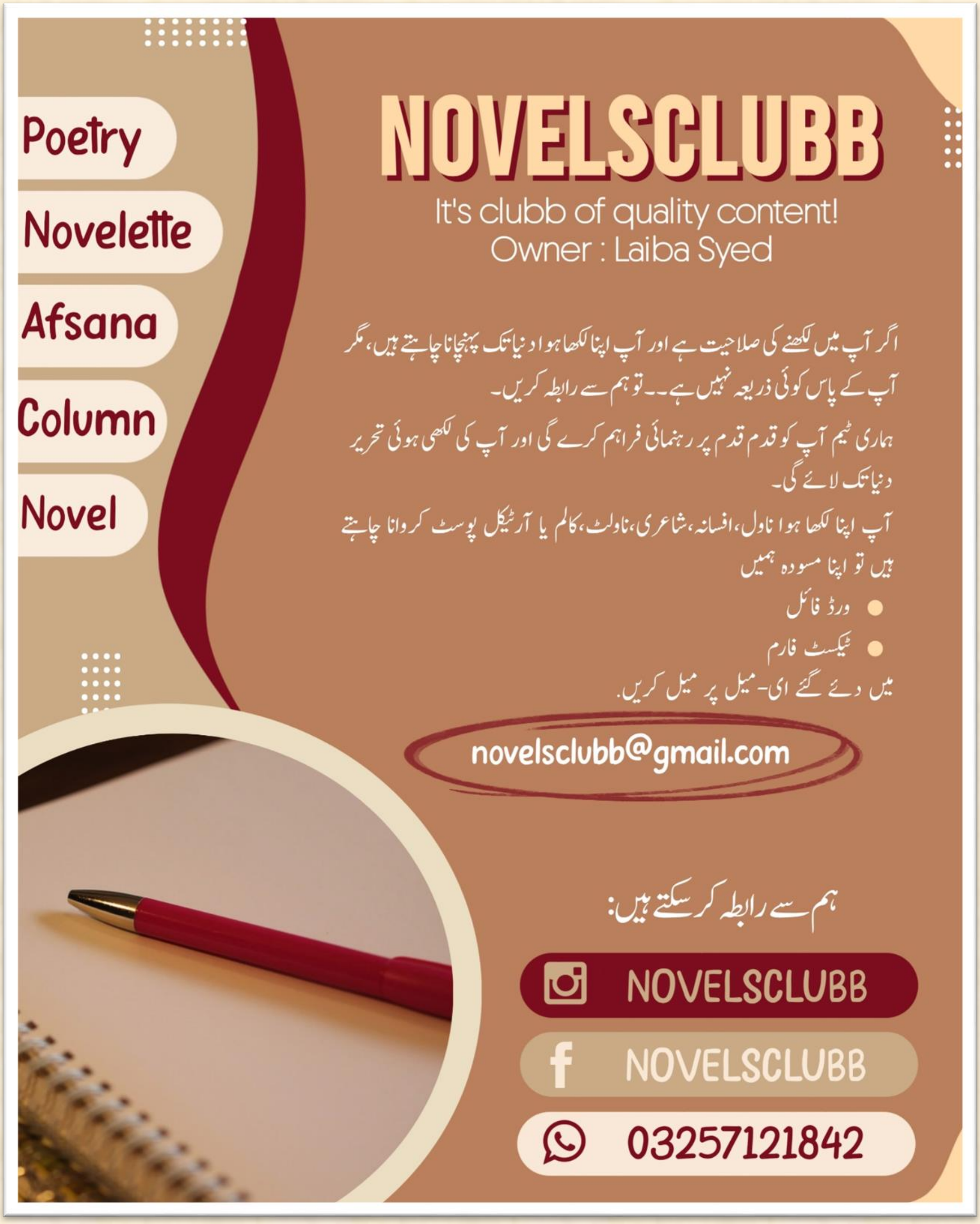
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

# ایک کپ چائے

## از قلم

## مہتاب ظہور

Clubb of Quality Content

ناول "ایک کپ چائے" کے تمام جملہ حق لکھاری "مہتاب ظہور" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ
کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹ فارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت
درکار ہو گی۔ "ناولز کلب" کا پی ڈی ایف بغیر اجازت پوسٹ کرنا منع ہے، بغیر اجازت کہانی/پی ڈی ایف کا
استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جا سکتی ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔
کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

افسانہ "ایک کپ چائے"

از قلم: مہتاب ظہور

دسمبر تھا کہ دبے پاؤں پہنچ چکا تھا مگر اس بار دسمبر کے اولین دن خاصی ناراضگی کا رنگ اوڑھے لگتے تھے کہ سردی نے ابھی تک شدت نہیں پکڑی تھی۔ مگر جوں ہی دسمبر اختتام کی جانب روانہ ہوا تھا سردی نے بھی شدت پکڑ لی تھی۔اب تو سورج بھی بامشکل اپنا دیدار کرواتا تھا۔ پچھلے چار دن سے سورج کے نکلنے کے انتظار میں صبیحہ نے واشنگ مشین نہیں لگائی تھی۔ مگر آج اس نے سورج کی بے رخی دیکھنے کے بعد بھی مشین لگالی تھی۔ سخت سردی میں کپڑے دھونا کسی سزا سے کم نہیں لگ رہا تھا۔اور کپڑے بھی اس قدر تھے کہ ان کو دیکھ کر یوں لگ رہا تھا کہ کپڑوں کی ایک دکان کھولنے کے لیے وہ کپڑے کافی تھے۔اس کے نزدیک جوائنٹ فیملی سسٹم میں رہنے کا سب سے زیادہ یہی نقصان ہوتا تھا کہ ایک معمولی سا کام بھی اتنا طویل ہو جاتا تھا جیسے اس کا آج کا سارا دن ان کپڑوں کی نظر ہونے والا تھا۔اور جب تک وہ خشک ہو کر سٹور روم تک نہیں پہنچائے جانے تھے وہ اسی کی زمہ داری تھے۔ہاں اس کے بعد وہ زارا کی زمہ داری تھے کیونکہ تمام مرد حضرات کے کپڑے استری کر کے ان کی

الماریوں میں ہینگ کرنا اس کی ذمہ داری تھی۔ہاں خواتین کے معاملے میں اسے یہ چھوٹ تھی کہ اگر کسی کو اس پر رحم آگیا تو وہ خود استری کرلے گی ورنہ ان کے کہنے پر اسے کپڑے استری کرکے دینے ہوں گے۔ کبھی کبھی اسے دادی کے بنائے ان اصولوں پر بہت غصہ آتا تھا۔جس طرح سب کو زمہ داریاں سونپی ہوئی تھیں اور پھر سختی سے ان پر عمل کروایا جاتا تھا اس پر اسے یہ گھر کم اور جیل خانہ زیادہ لگتا تھا۔اس دو منزلہ گھر میں تین خاندان آباد تھے۔ گھریلو معاملات کی سربراہ رحمت عزیز تھیں۔ عرصہ ہوا ان کے شوہر دارِ فانی سے کوچ کر چکے تھے اور وہ اپنے تین بیٹوں کے ساتھ اس گھر میں مقیم تھیں۔تینوں بیٹے شادی شدہ مگر ان میں صاحبِ اولاد دو تھے۔ تیسرے بیٹے کی شادی کو بیس برس بیت چکے تھے مگر اللہ نے اسے اولاد جیسی نعمت سے محروم رکھا تھا۔رحمت عزیز نے اپنے گھر میں اصول وضوابط بنا رکھے تھے جن پر وہ عمل کرواتی تھیں۔اور یہ ان کے اصول وضوابط کا ہی نتیجہ تھا کہ گھر کا سکون کبھی گھریلو سیاسیات کی وجہ سے درہم برہم نہیں ہوا تھا۔ان کی دو بہوئیں آپس میں بہنیں تھیں۔ان کی آپس میں خوب بنتی تھیں ان دونوں کی اولادوں کا بھی یہی حال تھا کہ وہ بھی ایک دوسرے سے خوب بنا کہ رکھتی تھیں۔البتہ ان کی تیسری بہو تابندہ کی ان کی دوسری دو بہوؤں سے کبھی بنی تو نہیں تھی مگر بگڑتی اکثر رہتی تھی۔اولاد جیسے نعمت سے وہ محروم تھی۔

صبیحہ تقریباً آدھے کپڑے دھو چکی تھی۔ سردی کی شدت سے یوں لگ رہا تھا رگوں میں خون جم جائے گا۔ واشنگ مشین میں کپڑے ڈال کر وہ ہاتھ سینکنے کی نیت سے کچن کی جانب چل دی تھی۔ سبھی لاؤنج میں پڑے ہیٹر کے گرد جھرمٹ بنائے بیٹھے تھے۔ وہاں بیٹھنے کے لیے اسے الگ سے تگ ودو کرنی پڑنی تھی۔ اس لیے اسے آسان حل یہی لگا تھا کہ کچن میں جا کر چولہا جلا کر ہاتھ سینک لے۔ ابھی وہ کچن میں داخل ہوئی تھی کہ کچن سے نکلتی چچی تابندہ بری طرح سے اس سے ٹکرائی تھی۔ نتیجتاً اُن کے ہاتھ میں تھاما چائے کا مگ چھلکا تھا اور ان کا ہاتھ بری طرح سے جلا گیا تھا۔ نا جانے یہ ان کے ہاتھ کی جلن تھی یا ان کے دل کی جس نے انہیں ہاتھ اٹھانے پر مجبور کیا تھا اور ان کی انگلیاں صبیحہ کے چہرے پر نشان چھوڑ گئی تھیں۔

"تم میں کوئی تمیز ہے کہ نہیں۔ اندھی ہو جو اس طرح ٹکراتی پھرتی ہو؟" وہ تقریباً چیختے ہوئے بولی تھیں۔ ان کی آواز سن کر سبھی لوگ آ گئے تھے۔ جب کہ صبیحہ ابھی تک بے یقینی سے گال پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔ آج تک کسی نے اس پر ہاتھ نہیں اُٹھایا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اس نے تھپڑ کا درد محسوس کیا تھا۔

"یہ کیا حرکت ہے تابندہ؟ تم آج تک جیسا بھی رویہ رکھو میں نے تمہیں کبھی کچھ نہیں کہا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم بچوں پر ہاتھ اٹھانا ہی شروع کر دو۔"

دادی گرجتی آواز میں بولی تھی۔ سبھی کو تابندہ چچی کا تھپڑ مارنا بہت برا لگا تھا۔ صبیحہ کی والدہ اپنے اندر ابھرتے غصے کے باعث بہت کچھ بولنا چاہتی تھیں مگر یہ اس گھر کا اصول تھا کہ جب رحمت عزیز بولتی تھیں تو پھر کسی کے بولنے کی گنجائش نہیں بچتی تھی۔

تابندہ چپ چاپ کھڑی ان کی ڈانٹ سن رہی تھیں۔ تھپڑ مار کر شرمندہ وہ خود بھی ہو رہی تھیں۔ مگر اب ان کی شرمندگی کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

اس واقعے کو اب کئی دن گزر چکے تھے۔ نیا سال شروع ہو چکا تھا مگر زندگی کے سبھی معمالات وہی پرانے تھے۔ صبیحہ کے ننھیال میں کسی کی شادی تھی۔ دادی اور چچی کے علاوہ سبھی شادی پر چلے گئے تھے۔ صبیحہ گھر پر ہی رک گئی تھی کہ اسکے فائنل شروع ہو چکے تھے۔ کھانا اس نے بنا کر رکھ دیا تھا۔ اور دادی کو کمرے میں ہی کھانا دے دیا تھا۔ اور خود کمرے میں پڑھنے چلی گئی تھی۔ رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے جب وہ چائے کی طلب لیے کچن میں آئی تھی۔ کچن میں آکر دیکھا تھا تو سارا کھانا جوں کا توں پڑا تھا۔ اس دن کے بعد سے چچی

اور اس کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔پہلے اس کے دل میں خیال آیا کہ کھانا فریج میں رکھے اور چائے بنا کر اپنے کمرے کا رخ کرے۔پھر نا جانے اس کے دل میں کیا خیال آیا تھا کہ اس نے چچی کے کمرے کا رخ کیا تھا۔کمرے میں داخل ہونے سے پہلے ہی اسے ان کے چھینکنے اور کھانسنے کی آواز آئی تھی۔وہ وہیں سے واپس مڑ گئی تھی۔کچن میں آکر اس نے ایک کپ چائے چڑھائی تھی ساتھ میں انڈہ ابالا تھا اور فرسٹ ایڈ باکس سے گولیاں نکال کر ٹرے میں رکھی تھیں۔اور چچی کے کمرے کی جانب چل دی تھی۔دروازے پر ہلکا سا ناک کیا تھا۔تابندہ آنکھوں پر بازو رکھے شاید رونے میں مصروف تھیں۔دو تین بار دروازہ ناک ہونے کے بعد بھی انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔انہیں پوری امید تھی کہ جو بھی تھا ان کے جواب نہ دینے پر واپس چلا جائے گا۔

"چچی اٹھیں چائے لے لیں۔"ان کی اجازت کے بغیر ہی وہ کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی تھی اور سائیڈ ٹیبل پر ٹرے رکھتے ہوئے بولی تھی۔

"میں نے تو چائے کا نہیں کہا کسی کو۔"وہ بامشکل بھیگے لہجے کو چھپاتے ہوئے بولی تھیں۔

"چچی آپ رو رہی ہیں۔" ان کا بھیگا لہجہ محسوس کرتے ہوئے صبیحہ نے حیرت سے سوال کیا تھا اور ان کی آنکھوں سے بازو ہٹانا چاہا تھا۔

"نہیں چھینکوں اور زکام کی وجہ سے آواز ایسی ہو رہی ہے۔" آنسوؤں کو حلق میں اتارتے ہوئے انہوں نے جھوٹ کہا تھا۔

"تو پھر اٹھیں چائے پی لیں۔ میں آپ کے لیے انڈہ بھی ابال کر لائی ہوں اور دوائی بھی۔ یہ بھی لیں۔" صبیحہ ان کے سر پر کھڑی بول رہی تھی۔

انہوں نے حیرت سے بازو آنکھوں سے اٹھایا تھا اور اسکی جانب دیکھا تھا اور پھر ٹرے کی جانب۔ جس میں ابلا انڈہ چائے کا کپ اور گولیاں پڑی تھیں۔ صبیحہ بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی تھی اور انڈہ چھیل کر ان کی جانب بڑھایا تھا۔

انہوں نے خاموشی سے چائے کا کپ تھام لیا تھا اور انڈہ کھانے کے بعد دھیرے دھیرے چائے کے سیپ لینے لگی تھیں۔ چائے کا خالی کپ انہوں نے ٹرے میں رکھا تھا تو صبیحہ نے گولیاں ان کی جانب بڑھائی تھیں۔

"یہ بھی لے لیں۔"

Clubb of Quality Content

اس کے بڑھے ہاتھ سے انہوں نے گولیاں اٹھا کر چند گھونٹ پانی کے ساتھ نگل لیں تھی۔

"اگر سر میں زیادہ درد ہے تو آپ کا سر دبا دوں؟" وہ ان کی سرخ آنکھوں کو دیکھ کر اندازہ لگاتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

انہوں نے کچھ بولنے کی بجائے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے ان کا سر دبانے لگی تھی۔ اس کے لمس سے انہیں سکون مل رہا تھا وہ یونہی آنکھیں موندھے لیٹی ہوئی تھی۔

"میری کوئی اولاد نہیں ہے۔ میں جب بھی تمہاری ماں اور خالہ کو تم لوگوں کو پیار کرتے دیکھتے ہوں تو مجھے ان پر رشک آتا ہے۔ کبھی رشک آتا ہے اور کبھی ان سے حسد محسوس کرتی ہوں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ کبھی ان دونوں سے میری بن نہیں سکی۔ جب تم لوگوں کو اپنی ماوؤں کو پیار کرتے دیکھتی ہوں ان کی پرواہ کرتے دیکھتی ہوں تو دل میں حسرت جاگتی ہے کہ کاش میری بھی اولاد ہوتی وہ بھی مجھ سے یوں ہی پیار کرتی۔ میری یوں ہی پرواہ کرتی۔ جیسے تم اب میرا سر دبا رہی ہو وہ ہر بار میرے سر میں درد ہونے پر ایسے ہی میرا سر دباتی میرے لئے چائے بنا کر لاتی۔" وہ اس قدر دھیرے آواز میں بول رہی تھیں کہ صبیحہ کو ان کی آواز سننے میں کافی مشکل ہو رہی تھی۔

"اس دن تمہیں تھپڑ پتا ہے کیوں مارا تھا؟" وہ عجیب سے انداز میں اس سے وجہ پوچھ رہی تھیں۔

"نہیں پتا۔" صبیحہ نے دھیرے سے جواب دیا تھا۔

"اس دن محلے کی ایک عورت آئی تھی۔ میری ہمدرد بن کر مجھے بہت باتیں سنا کر گئی۔ باتیں تو لوگوں نے شادی کے دوسرے سال ہی سنانا شروع کر دی تھیں مگر لگتا ہے اب وہ سب باتیں برداشت کرنے کے لیے حوصلہ کم پڑنے لگا ہے شاید اسی لیے اس دن اپنے دکھ میں تمہیں دکھ دے بیٹھی۔ کیا اس تھپڑ کے لیے مجھے معافی مل سکتی۔ اگر تم میری بیٹی ہوتی تو تب تو میں تمہیں تھپڑ مار سکتی تھی ناں؟" آخری جملہ بولتے ہوئے ان کے لہجے میں عجیب سی حسرت تھی جس کو محسوس کرتے ہوئے صبیحہ کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

"کیا مجھے اس تھپڑ کے لیے معافی مل سکتی ہے؟" وہ ہنوز آنکھیں بند کیے درد بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔

"آپ کو اس تھپڑ کے لیے معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مجھے معاف کر دیں کہ میرے رویے نے آپ کو یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ آپ کو اس تھپڑ کے لیے مجھ سے معافی مانگنے کی ضرورت ہے۔" وہ شرمندگی سے سر جھکاتے ہوئے بولی تھی۔

وہ جانتی تھی اگر چچی نے اسے تھپڑ مارا تھا تو اپنے رویے سے اس نے انہیں یہ محسوس کروایا تھا کہ وہ اسے تھپڑ مار چکی ہیں۔ بعض اوقات ہر بات منہ سے بول کر نہیں بتائی جاتی بلکہ کچھ باتیں رویوں سے جتائی جاتی ہیں اور جو باتیں رویوں سے جتائی جاتی ہیں وہ بول کر بتائی گئی باتوں سے زیادہ دکھ دیتی ہیں۔ لفظ اتنے تکلیف دہ نہیں ہوتے جتنے رویے اذیت ناک ہوتے ہیں۔ وہ بھی تو یہی کر رہی تھی کہ انہیں اپنے رویے سے تکلیف پہنچا رہی تھی۔ ڈائننگ ٹیبل پر ان کے ساتھ بیٹھنا پڑتا تھا تو وہاں نہیں بیٹھتی تھی۔ اگر وہ کوئی کام کہتی تھیں تو خود کرنے کی بجائے کسی دُوسرے کو کہہ دیتی تھی۔ ہمیشہ کی طرح ان کی کسی بات کا جواب دینے کی بجائے خاموش رہتی تھی۔ اور اب اسے اپنے ہر رویے پر جی بھر کر شرمندگی ہو رہی تھی۔ آج سے پہلے اسے چچی کی تکلیف کا بھی اندازہ نہیں ہوا تھا وہ سب کزنز یہی کہتے تھے کہ چچی فطرتاً کھڑ مزاج خاتون ہیں کسی سے بنا کر نہیں رکھتی ہیں مگر آج اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ ان کے اس رویے کے پیچھے بھی ایک وجہ تھی۔ وہ وجہ جو ان سب نے کبھی محسوس ہی نہیں کی تھی۔

انسان کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ وہ کسی انسان کے سخت رویے کی وجہ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتا بس اس انسان پر اکھڑ اور بدمزاج ہونے کا ٹیگ لگا دیتا ہے کبھی یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کرتا کہ اس کے اکھڑ اور بدمزاج ہونے کے پیچھے وجہ کیا ہے۔وہ سب کزنز بھی تو یہی کرتے رہے تھے۔اگر ان کی ماؤں نے کبھی اس بات کو نہیں سمجھا تھا تو ان کا تو یہ بات سمجھنا بنتا تھا۔وہ تو نئی جنریشن کے لوگ تھے اور نئی جنریشن تو خود کو اپنے ماں باپ سے زیادہ باشعور اور سمجھدار سمجھتی ہے لیکن اگر وہ ہی یہ بات نہیں سمجھتی کہ انسان کے ہر طرح کے رویے کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ چھپی ہوتی ہے اور اس وجہ کو ڈھونڈنا ہوتا ہے نا کہ اس انسان کو اس کے حال پر چھوڑتے ہوئے اسے بدتمیز اور بددماغ جیسے القابات سے نوازا دیا جاتا ہے۔تو کیا فرق تھا ان کے والدین اور ان کی جنریشن میں۔

"میں سچ میں بہت شرمندہ ہوں اپنے رویے پر چچی۔اور آپ کو کس نے کہا کہ میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں۔میں آپ کی ہی بیٹی ہوں آپ مجھے تھپڑ نہیں جوتے مارنے کا بھی حق رکھتی ہیں۔اور رہی بات کہ آپ کی بیٹی ہوتی تو آپ کے بیمار پڑنے پر آپ کے لیے چائے بناتی آپ کا سر دباتی تو میں آپ کی بیٹی ہوں اس لیے تو آپ کے لیے چائے بنا کر لائی ہوں اور جب تک

آپ خود منع نہیں کریں گی تب تک آپ کا سر بھی دباتی رہوں گی۔" وہ ان کا سر دباتے ہوئے محبت سے بول رہی تھی۔

اس کی بات سن کر انہوں نے آگے بڑھتے ہوئے گلے سے لگا لیا تھا۔

"تمہیں پتا ہے جب تم سب چھوٹے تھے تو میں تم لوگوں کا کوئی کام کرنے لگتی تھی تو تم لوگوں کی مائیں کہتی تھیں میری کوئی اولاد نہیں مجھے کسی بات کا علم نہیں ہے، میں کیسے تم لوگوں کے کام کر سکتی ہوں۔ وہ تم لوگوں کو خود نہلاتی تھیں خود فیڈر بنا کے دیتی تھیں پھر تم لوگ بڑے ہوئے تو تم لوگوں کو اپنی ماؤں سے کام کروانے کی عادت تھی۔ میں تو ہمشیہ تم لوگوں کو حسرت سے دیکھتی رہی ہوں کہ کبھی تم لوگوں مجھے بھی کسی کام کے لیے کہو گے۔ میں بھی کبھی محسوس کر سکوں گی کہ اولاد کا کام کر کے کیسا لگتا ہے۔ مگر تم لوگ تو روٹی بھی صرف اپنی ماں کے ہاتھ کی بنی کھاتے ہو۔ میں جانتی ہوں تم لوگوں کو لگتا ہے تم لوگوں کی چچی کھڑوس ہے بدمزاج ہے۔ لیکن مجھے سمجھ نہیں آتی تم لوگوں نے کیسے یہ رائے قائم کی اور پھر اس رائے پر اب تک قائم ہو۔" وہ آنکھوں میں آئے آنسو پونچھتے ہوئے بولی تھیں اور صبیحہ شرمندگی کے گڑھے میں گرتی جا رہی تھی۔

"کیا آپ ہم سب کو معاف نہیں کر سکتی ہیں ہمارے سابقہ رویے پر؟ معاف کر دیں یہ سمجھ کر کہ آپ کی بیٹی آپ سے کہہ رہی ہے؟ وہ بڑی آس سے پوچھ رہی تھی۔

"میں ناراض نہیں ہوں معاف کیا کرنا ہے۔ بس میری محرومی نے مجھے تلخ بنادیا ہوا ہے اور مجھے اس بات کا اندازہ ہے۔" وہ پھر بھی خود کو خوش دے رہی تھیں۔

جب کہ صبیحہ کو اندازہ تھا کہ انہیں اس قدر تلخ بنانے میں سب سے بڑا ہاتھ ان کی ماؤں کا تھا۔ اگر وہ اپنی اولاد کو ذرا سا ان سے بانٹ لیتی تو شاید وہ اس قدر تلخ نہ ہوتیں۔ اور اگر وہ لوگ بھی ان کے رویے کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو ان کے دل میں موجود محرومی کم ہو سکتی تھی۔ ورنہ انہیں تلخ بنانے کے لیے زمانہ کم تو نہ تھا۔ نا جانے کیسی ہر معاملے کو باریک بینی سے دیکھنے والی دادی چچی کے معاملے میں کیوں کوتاہی کر گئی تھی۔

اس رات اس نے تابندہ چچی کے ساتھ بہت ساری باتیں کی تھیں۔ اس چائے کے کپ نے بہت کچھ بدل دیا تھا۔ صبیحہ کے ایک بار سمجھانے پر سبھی کزنز نے چچی سے اپنا رویہ درست کر لیا تھا۔ اب گاہے بگاہے وہ چچی کو اسی طرح کام کہتے تھے جس طرح وہ اپنی ماؤں کو کہا کرتے تھے۔ کبھی کوئی انہیں اپنی شرٹ کے بٹن لگانے کو کہہ دیتا تھا کبھی کوئی اپنا دوپٹہ رنگوانے کے

لیے انہیں تھما دیتی تھی۔ کبھی کوئی ان سے سویٹر بن کر دینے کی فرمائش کر دیتی تھی تو کبھی کوئی صبح صبح انہیں جگا کر آلو کے پراٹھے کھلانے کی فرمائش کرتا تھا۔ صبیحہ خاص طور ان سے بے حد لگاؤ رکھنے لگی تھی۔ صبح یونیورسٹی جاتے وقت جب وہ ماں کی طرح ان کے آگے بھی ماتھے پر پیار لینے کے لیے سر جھکاتی تھی تو اس کا ماتھا چومتے ہوئے چچی کی آنکھیں بھیگ جاتی تھیں۔سب نے اپنے رویوں کو درست کیا تھا تو سبھی کو اب چچی بد مزاج اور اکھڑ نہیں لگتی تھی۔

صبیحہ کی سالگرہ تھی اور ہمیشہ کی طرح اسے پوری امید تھی کہ اب کی بار بھی کوئی اس کے لیے سرپرائز تیار نہیں کرنے والا تھا۔بلکہ بیکری سے کیک آنا تھا اور ساتھ میں کھانے میں کچھ اچھا بن جانا تھا اور ان سب کزنز نے ہلا گلا کرتے ہوئے کیک کاٹ لینا تھا۔یوں سالگرہ اپنے اختتام کو پہنچ جانی تھی۔اب تو اس نے کسی سرپرائز کی امید لگانا ہی چھوڑ دی تھی۔

رات کے بارے بجنے میں سے کچھ ٹائم باقی تھی۔وہ سکون سے سونے میں مصروف تھی۔ جب چند منٹس رہ گئے تھے تو دروازہ ناک ہوا تھا۔وہ ہنوز سونے میں مصروف تھی۔اب کی بار دروازہ زور سے بجا تھا وہ گھبرا کر اٹھی تھی اور جلدی سے دروازہ کھولا تھا۔

"میرے کمرے میں آؤ۔" زارا اس کا ہاتھ تھام کر گھسیٹتے ہوئے بولی تھی۔

ایک تو وہ نرم گرم بستر چھوڑ کر اٹھی تھی اور اب وہ اسے گرم کمرا چھوڑ کر باہر نکلنے کو کہہ رہی تھی۔ دانت پیستے ہوئے وہ گرم چادر اوڑھ کر اس کے پیچھے چل دی تھی۔ جیسے ہی وہ زارا کے کمرے میں داخل ہوئی تھی ایک دم سے بند لائٹس آن ہوئی تھیں اور ہیپی برتھڈے کی آوازیں گونجی تھیں۔ کمرے کو بے حد خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ وہ تو سب کچھ دیکھ کر دنگ تھی۔ سبھی نے اسے تحفے دیے تھے۔ یہ یقیناً اس کی زندگی کا پہلا اور سب سے اچھا سرپرائز تھا۔

"یہ سرپرائز کا خیال کس کو آیا؟" صبیحہ نے حیرت سے پوچھا تھا

"یہ خیال چچی کا تھا۔" زارا نے بتایا تو وہ چچی کی جانب دیکھنے لگی تھی۔ وہ جو ہر وقت مرجھائی رہتی تھیں اب ان سب کی ذرا سی توجہ سے وہ کھل اٹھتی تھیں۔ صبیحہ نے اس رات جو چائے کا کپ ذرا سی ہمدردی میں بنایا تھا وہ اسے بہت بڑا سبق دے گیا تھا۔ اس نے یہ سیکھا تھا کہ لوگوں کو ان کے حال پر نہیں چھوڑا کرتے بلکہ ان کے دل کا حال سن کیا کرتے ہیں۔ جب دل ہلکا ہوتا ہے تو مزاج کی سختی کے رنگ بھی خود ہی ہلکے ہونے لگتے ہیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری
شاعری پڑھنے کے لئے نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842